QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

نبی کریم ﷺ کی خارجہ پالیسی کا عملی جائزہ

A practical evaluation of the foreign policy of the Prophet ﷺ

***Dr. Aman Ullah Rathore**
Principal/Associate Professor of Islamiat, Govt Graduate College Daska, Sialkot.
Email: arqamlahore@yahoo.com
Dr Asim Iqbal
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Mohi-ud-Din Islamic University
Nerian Sharif AJK. Email: asim.iqbal@miu.edu.pk

That Islamic foreign policy is guided by the principles of peace, justice and mutual respect, as shown by the Prophet's treatment of other nations during his time. It established diplomatic relations, signed treaties and engaged in negotiations to resolve disputes and promote understanding. Quranic verses and the Prophet's actions serve as guidelines for Muslim countries to conduct their foreign affairs in a manner that promotes peace, harmony and cooperation with other nations.

Keywords: Foreign policy, Justice, Prophet's, Diplomatic relations, Muslim countries, Foreign affairs, Harmony, Nations.

خارجہ پالیسی کا معنٰی و مفہوم:

"سفارت" اور 'خارجہ پالیسی' کے تصور سے مراد ایک ایسی ریاست یا حکومت ہے جو دوسری ریاستوں، حکومتوں اور قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے کے لیے طریقہ کار اور ضابطے قائم کرتی ہے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی خارجہ پالیسی کی بنیاد بھی ان قرآنی آیات پر رکھی۔"[1]

خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد:

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد اسلام کو پھیلانا اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ہدایت کی کہ پہلے اسلام کو دوسری قوموں میں متعارف کروائیں، اور اگر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کریں اور اس کے پھیلاؤ میں رکاوٹیں ڈالیں۔

---

[1] Professor. Dr. ḥussain bānō, rasōl akram kī sifārat kārī awr khārjī pālīsī, muqadamah (Karāchī: idārah teḥqīqāt sīrat al-nabī, 2022), 5

پھر ان کے خلاف لڑنا تھا، تاہم یہ لڑائی ان لوگوں کے خلاف نہیں تھی جنہوں نے اسلام کو رد کیا تھا، بلکہ ان کے خلاف تھا جو اس کے پھیلاؤ میں رکاوٹ تھے۔

مدینہ کی طرف ہجرت اور تین مسائل:

مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تین قسم کے لوگوں کا سامنا کرنا پڑا:

آپ کے بزرگ صحابہ، غیر مسلم قبائل اور یہودی۔

آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار (مقامی لوگ جنہوں نے مہاجروں کی حمایت کی) کے درمیان محبت اور بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا جس نے اختلافات کے باوجود انہیں متحد کیا۔ اس تناظر میں مدینہ کی ریاست انسانیت کی علامت بن گئی، جہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کا، چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، جوابدہ ٹھہرایا جاتا تھا۔

خطوط اور سفارت کاری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارتی خطوط لکھنے کے لیے ایک معیاری طریقہ بھی قائم کیا، جس میں اپنی مہر لگانا، ہر حرف کو وصول کنندہ کے نام سے شروع کرنا اور ادب کے ساتھ زبان استعمال کرنا شامل ہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی فصاحت اور دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسری قوموں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے سریانی زبان بھی سیکھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خطوط لکھنے کے لیے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، جو انہوں نے صرف 15 دنوں میں مکمل کر لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفارت کاری اور ابلاغ کے ماہر تھے۔"۔[2]

حاکم کا خود ضرورتا سفر کر کے پالیسیوں کا جائزہ و اقدام کرنا:

عبد الحیٔ کتانی کی کتاب الترتیب الادرایۃ کے مطابق، سفیروں کا انتخاب کرتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض خصوصیات کو مد نظر رکھتے تھے، جیسے فصاحت، حکمت اور اچھے کردار۔ وہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کرے گا جو نہ صرف علم والا ہو بلکہ مضبوط شخصیت کا حامل ہو اور بات چیت میں ماہر ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو بھی یقینی بنائیں گے کہ سفیر اس علاقے کی مقامی زبان اور رسم و رواج سے واقف ہوں جہاں انہیں بھیجا جا رہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفارتی خط و کتابت میں استعمال ہونے والی زبان کے بارے میں بہت خاص تھے۔ وہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ خطوط خطے کی مقامی زبان میں لکھے گئے ہوں، تاکہ وصول کنندگان پیغام کو واضح طور پر سمجھ سکیں۔ یہ اس وقت ظاہر ہوا جب اس نے رومی شہنشاہ قیصر کو ایک خط بھیجا جو رومی سلطنت کی زبان یونانی میں لکھا گیا تھا۔[3]

سفارت کاری کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نظر منفرد اور موثر تھا۔ وہ اکثر ایسے سفیر بھیجتے تھے جو نہ صرف باشعور تھے بلکہ ایک مضبوط شخصیت کے مالک بھی تھے اور رابطے میں بھی ماہر تھے۔ یہ نقطہ نظر اس قدر متاثر کن تھا کہ رومی شہنشاہ قیصر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارتی مہارت سے متاثر ہوا، حالانکہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

---

[2] Burhān al-dīn ḥalbī, sirah al-ḥalbīyah (Beirūt: dar al-kutab al-i'lmīyah), 422/3

[3] Muḥammad a'bdul ḥa'ī, al-tarātīb al-idārīyah (Beirūt: dar al-arqam), 167/1

وفود کا اقدام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ پالیسی انصاف، ہمدردی اور دیگر اقوام کے احترام کے اصولوں پر مبنی تھی۔ وہ اکثر پر امن تعلقات قائم کرنے اور تنازعات کو سفارت کاری کے ذریعے حل کرنے کے لیے دیگر ممالک میں سفیر بھیجتا تھا۔ یہ نقطہ نظر اس قدر کامیاب رہا کہ یہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا۔"[4]

"جب بات پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے سفارتی نقطہ نظر کی ہوتی ہے، تو وہ ہمیشہ سفیروں کے ساتھ احترام اور مہربانی سے پیش آتے تھے، چاہے ان کے پس منظر یا حیثیت کچھ بھی ہو۔ ان کے سفر کے لیے تحائف اور سامان تیار کرتے۔[5]

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب نجران سے ایک وفد مدینہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ صرف ٹھہرنے کی جگہ فراہم کی بلکہ انہیں مسجد نبوی میں یروشلم کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی۔ مہربانی اور احترام کے اس انداز نے وفد کو بہت متاثر کیا۔[6]

اسی طرح جب بنو سقیف کا ایک وفد مدینہ آیا[7] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بڑی مہمان نوازی کی، ان کے لیے خیمے لگائے اور حضرت خالد بن سعید کو ان کا میزبان اور سہولت کار مقرر کیا۔ اس نے ان سے تحائف بھی قبول کیے اور اپنے ہی تحائف کے ساتھ بدلہ دیا، جو کہ باہمی تعاون اور مہربانی کے اصول کا مظاہرہ کیا۔[8]

جب عمان سے ایک وفد مدینہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تحائف کو قبول کیا اور 500 درہم سے نوازا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احسان اور سخاوت کا بدلہ ہمیشہ احسان اور سخاوت سے ملتا ہے۔

ایک اور مثال میں، جب ایک قبیلہ کا وفد مدینہ آیا اور اسے مدد کی ضرورت تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدد فرمائی، جس سے ان کا سفر آسان ہو گیا۔ اسی طرح جب بنو ثعلبہ کا وفد واپس آیا تو اس نے انہیں پانچ اونس چاندی بطور تحفہ دی۔[9]

یہ مثالیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفارتی انداز کو ظاہر کرتی ہیں، جس کی بنیاد احسان، احترام اور فیاضی تھی۔ وہ دوسروں کے پس منظر یا حیثیت سے قطع نظر ان کے ساتھ ہمدردی اور سمجھ بوجھ کے ساتھ پیش آنے میں یقین رکھتا تھا۔۔ آپ ﷺ نے سفراء کے متعلق فرمایا:

> اجیزوالوفد بنحو مما کنت اجیز هم[10]
>
> یعنی "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ہدایت کی کہ وہ سفیروں کو تحفہ دینے کا عمل جاری رکھیں، جیسا کہ انہوں نے خود بھی ایسا ہی کیا تھا"۔

---

[4] I‘mād al-dīn ismā‘īl, al-badāyah wa al-nihāyah (Beirūt: maṭbō’ah dar al-fikar, 1418 A.H), 40/5

[5] Burhān al-dīn ḥalbī, sirah al-ḥalbīyah, 398/3

[6] Ibn-e-syed al-nās abō al-fataḥ, u‘yōn al-athrafī fanon al-maghāī wa al-shumā’l wa al-sayar (Beirūt: dar al-qalam), 282/2

[7] Jalāl al-dīn sayōṭī, al-khaṣā’ṣ al-kubrā (Beirūt: dar al-kutab al-i‘lmīyah, 1405 A.H), 105/2

[8] Muḥammad a‘bdul ḥa’ī, al-tarātīb al-idārīyah, 348/1

[9] Abō a‘dullah muḥammad ibn-e-sa‘d, al-ṭabqāt al-kubrā (Beirūt: dar ṣādir, 1968), 298/1

[10] Abō a‘dullah muḥammad al-fākhī, akhbār Makkah fī qadīm al-dahar wa ḥadīthīyah (Beirūt: dar khidhar, 1414 A.H), 13/3

یہ فوجی مہمات کے دوران خاص طور پر اہم تھا، جب دوسری قوموں کے ساتھ بات چیت کرنے اور مسائل کو پر امن طریقے سے حل کرنے کی ضرورت بہت اہم تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نظر سفارت کاری اور افہام و تفہیم کو ترجیح دینا تھا، جیسا کہ اسلام ہمیں جب بھی ممکن ہو تنازعات اور خونریزی سے بچنے کا درس دیتا ہے۔

در حقیقت اسلام ایک عالمگیر تحریک ہے جس کا مقصد لوگوں کو متحد کرنا ہے، انہیں تقسیم کرنا نہیں۔ لہٰذا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں بھی ممکن ہو، پر امن ذرائع سے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک مضبوط سفارتی نظام تیار کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ اس نقطہ نظر نے اسلام کے پیغام کو پھیلانے اور تنازعات کو افہام و تفہیم اور باہمی احترام کے ذریعے حل کرنے کی اجازت دی۔

سفیروں کو تحفہ دینے کے اس عمل کو جاری رکھ کر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب دیگر اقوام کے ساتھ پُل تعمیر کرنے، خیر سگالی کو فروغ دینے اور تنازعات کے پر امن حل کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ نقطہ نظر آج تک اسلامی سفارت کاری کا ایک اہم پہلو ہے۔"[11]

خارجی عناصر سے روابط قائم کرنے میں متوازن اور موثر حکمت عملی:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم ممالک کے ساتھ معاملات کرتے وقت دو طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا: امن کے اوقات اور جنگ کے وقت۔ امن کے زمانے میں، اس نے ان کے ساتھ خوبصورت تعلقات قائم کیے، ان کی جان، مال اور اولاد کو نقصان سے بچا لیا۔ جنگ کے اوقات میں، اس نے ایک منظم انداز کو نافذ کیا، جس میں خواتین، بچوں اور بوڑھوں سمیت عام شہریوں کو پہنچنے والے نقصان کو کم سے کم کرنے کے لیے قواعد و ضوابط قائم کیے گئے۔ اس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ صرف ان لوگوں کے خلاف لڑا جائے جنہوں نے اس کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے، نہ کہ معصوم شہریوں کے خلاف۔[12]

انصاف، ہمدردی اور مساوات کو ترجیح:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل واقعی قابل ذکر تھا، کیونکہ آپ نے انصاف، ہمدردی اور مساوات کو ترجیح دی۔ اس نے قوانین کا ایک ایسا نظام قائم کیا جس سے تمام لوگوں کو فائدہ پہنچا، خواہ ان کا قبیلہ، قوم یا سماجی حیثیت کچھ بھی ہو۔

جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں،

"اسلامی قوانین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہیں، کیونکہ وہ اتنے عقلمند اور عادل ہیں کہ وہ عقل، حالات اور انسانی فطرت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔"[13]

نبی کریم ﷺ کی سیرت ان کی ایک منصفانہ اور ہمدرد معاشرے کے قیام کی کوششوں کا منہ بولتا ثبوت ہے جہاں انسانی حقوق کا احترام اور تحفظ کیا جاتا ہے۔ اس نے ہر انسان کی فطری قدر کو پہچانا، خواہ اس کا پس منظر یا سماجی حیثیت کچھ بھی ہو، اور ان کی بھلائی اور وقار کو فروغ دینے کے لیے کام کیا۔ قرآن میں انصاف، ہمدردی اور مساوات کی اہمیت پر بھی زور دیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ان اقدار کی عکاسی کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

" إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ "[14]

---

[11] Sheikh asad salīm, rasōl Allah ki khārjah pālīsī (Lāhōr: sang mīl publications), 54
[12] Dr ḥamīd, khuṭbāt Bahawalpur, 123
[13] Dr ḥamīd, rasīl akram baṭōr muṣlaḥ (Jāma‘y Punjab: urdū dā’rah m‘ārif islāmīyah), 45
[14] Al-ḥujrāt: 13

> ”بے شک تم تمام لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک وہ انسان ہے کہ جو زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو اور اللہ سب کچھ کرنے پر قادر مطلق ہے اور سب کچھ وہ جانتا بھی ہے (کہ تم لوگ کون ہو کیا کرتے ہو اور تم نے کیا معنی ہے۔“

دیکھا جائے تو اسلام کا نظام معاشرت صرف اسی بنیاد پہ ہے کہ جو تقوے والا جتنا زیادہ ہو گا اتنی اس کی عزت زیادہ ہو گی اور فضیلت بھی اسی کو حاصل ہو گی باقی تمام برابر ہیں انسانیت میں سب کو ایک جگہ اکٹھا کیا گیا ہے اور یہ اسلام کے خصائص میں سے ہے۔

خارجہ پالیسی میں عدل وانصاف کا معیار:

> "وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبّ الْمُقْسِطِينَ"[15]
>
> "اور اگر تم کو فیصلہ کرنا پڑ جائے کہ درمیان ایسا فیصلہ کرو کہ جو انصاف پر مدنی ہو بے شک اللہ پاک تو ایسے لوگوں کو قسم فرماتا ہے کہ جو انصاف کے ساتھ معاملے کو رفع دفع کریں۔"

یہاں اللہ پاک نے انصاف کا حکم ارشاد فرمایا ہے اب انصاف کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے ایک ہے انصاف اجتماعی یعنی کہ اجتماعی طور پہ تمام لوگوں کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جائے کسی بھی معاشرے میں مختلف طرح کے افراد رہتے ہیں کہ جن کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنا اسلام کا حکم ہے ایک سماجی صورتحال ہو یا پھر سیاسی یا پھر معاشرتی یا خاندانی ان کی تعمیر اور تشکیل کا تقاضا یہی ہے کہ جرائم کو جتنا ہو سکے روکا جائے مظلوم کی مدد کی جائے اور ظالم جو بھی ہو گا اس کو اس کے ظلم کے مطابق سزا دی جائے۔

ہمارے پیارے نبی علیہ السلام نے ہمیں ایک دین دیا جو بالکل اسان ہے شریعت ایسی دی کہ جو متوازن ہے یعنی ایسا کوئی حکم ہے ہی نہیں کہ جس پہ اگر عمل کیا جائے تو کوئی دوسرا حکم چھوٹ رہا ہو کہ اگر دوسرے کیا جائے تو پہلا حکم چھوٹ رہا ہو کہ جس سے انسان یہ تذبذب کا شکار ہو جائے کہ اخر میں کون سا حکم مانوں ایسی کوئی اسلام میں بات نہیں اور نہ ہی ایسی کوئی تکلیف ہے کہ جو انسان کی طاقت سے باہر ہو اللہ پاک نے جس انسان کو جتنی طاقت دی ہے اس کی طاقت کے مطابق اسلام نے احکام نافذ کیے ہیں تمام حقوق کی بنیادی طور پہ جو وجوہات ہیں وہ اسلام ہی سمجھتا ہے اور اسی کے کا اثر انداز ریاست میں کیا جائے تو ہر طرح کے لوگوں کو عدل وانصاف ملے گا اور وہ اسلامی تصورات کے تابع بھی ہوں گے۔[16]

> "الاجتهاد هو بذل الوسع فی طلب امر يقصد"[17]
>
> ترجمہ: اجتہاد کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے اپنی تمام کوششوں کو وقف کرنے کا عمل ہے۔

اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس کو مکمل طور پہ ایک نظام دیا گیا ہے یہ ایک ایسی حکومت ہے کہ جس کے اندر تمام مذاہب اور فرقوں سے تعلق رکھنے میں کسی بھی قسم کی کوئی سختی نہیں ہاں کوئی کسی فرقے کا اگر شخص کھڑا ہو کے سرکشی کا مظاہرہ کرتا ہے تو پھر اس کو زبر و توفیق کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور اسلام یہاں پہ اپنی سختی دکھاتا ہے لیکن اگر کوئی کسی بھی مذہب فرقے سے تعلق رکھتا ہو خاموش ہو کسی کو چھیڑ تا نہ ہو تو اس کے اوپر بلاوجہ ہاتھ اٹھانے سے اسلام نے منع کیا اور بلاوجہ اس کے اوپر سختی سے منع کیا ہاں اگر اس کو محبت کے ساتھ

---

[15] Al-mā’dah: 42

[16] Mudīr Dr maḥmōd al-ḥassan bat, m‘ārif islāmī (Islamābād: A‘llāmah iqbāl open university, shumārah no 2, December, 2008), 109/8

[17] Al-ṣāliḥah, subal al-hudā wa al-rashād, 627/1

اسلام کی دعوت دی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے اسلام میں اجتہاد کے دروازے بے شک کھلے ہوئے ہیں اور کثیر مذاہب سامنے ایسے نظر اتے ہیں کہ جن کے اندر اسلامی قوانین اور اقتدار کو عمل میں لایا گیا ہے۔

حضرت برکت علی لدھیانویؒ نے اسلامی فلسفہ اور فکر میں اجتہادی اتھارٹی کی سمت یوں بیان کی ہے: ”کسی ایک شخص کی نظر میں تنگ نظری، تنگ نظری اور کم نظری نہیں ہونی چاہیے۔ عارضی، عارضی کی طرف میلان نہیں ہونا چاہیے۔ اور معمولی فوائد، بلکہ اس کی آنکھیں۔ دور رس فوائد کے بارے میں پر امید رہیں۔ وسعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین سے ہر انحراف، حلال و حرام، حلال و حرام کو برداشت کیا جائے اور نظر انداز کیا جائے۔[18]

حضرت شرف بصیری فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم دینے والے اور منع کرنے والے ہیں اور "ہاں" اور "نہیں" کے معاملے میں آپ سے افضل کوئی نہیں ہے۔

اسلام کی تمام تر وسعت اور سادگی کے باوجود اس سے متعلق نصوص اور احکامات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔[19]

"وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"[20]

”اور جس چیز سے (رسول ﷺ) تم کو منع فرمادیں تم رک جایا کرو۔“

اسلامی ریاست میں شرعی نظام کے موثر نفاذ اور اسلامی روایات کے پھلنے پھولنے کے لیے جتنا ضروری ہے، اسی طرح جبر، لوٹ مار، حق تلفی، ناانصافی، دھوکہ دہی، بے ایمانی، دہشت گردی، دستبرداری کے حقوق کی مذمت بھی ہے۔- مسلمان اور پسماندہ طبقات۔ پامالی کے اسلامی معاشرے میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اسلامی نظام حکومت میں پابندیوں کے اطلاق کو موثر بنا کر تمام معاشرتی برائیوں اور برائیوں کو ختم کرنے کا مکمل نظام موجود ہے۔

خارجہ پالیسی کی حدود کا قیام اور برقرار رکھنا:

اللہ کی حدود کے قیام کا مطلب ایک معتدل اور مثالی سماجی اور معاشی نظام قائم کرنا ہے جس کی بنیاد عدل پر ہو اور کسی قسم کی مبالغہ آرائی سے پاک ہو۔ ایسی صورت میں اگر کسی نے عملی کردار نبھانا ہو تو یہ اسی صورت ممکن ہو سکتا ہے کہ جب شرعی نظام کو مکمل طور پہ اپنی نظام میں رکھا جائے۔

یہاں "شائستہ" سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق پاکیزہ تھے اور وہ گناہوں سے بالکل پاک تھے۔[21]

آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ایسا اثر ہوا کہ کچھ ہی عرصے میں اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اسلامی نظام فکر، جو دوام اور مکمل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، دوسرے مذاہب کے مقابلے میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ اسلام سے پہلے تمام مذاہب کے اہم اجزا کی نشو ونما ہے۔ یہی وہ قبول شدہ شکل ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس نے اسلامی تہذیب و تمدن کو تہذیبی ہم آہنگی کی بنیاد بنایا ہے۔ بے شک اسلامی تہذیب کے اندر ایک ایسی خوبصورتی ہے کہ جس سے دوسری تہذیبوں کے اندر برابری اور احترام کچھ زیادہ ہے یعنی دوسری تہذیبوں میں ایسی بہت

---

[18] Muḥammad barkat a'lī abō anīs, makshōfāt manāzil aḥsān (Faisalabad: Camp dar al-aḥsān publications), 187

[19] Al-ṣāliḥah, subal al-hudā wa al-rashād, 131/1

[20] Al-ḥashr: 7

[21] Al-ṣāliḥah, subal al-hudā wa al-rashād, 248/1

سی چیزیں ہیں کہ جن میں سختی سے کام لیا جاتا ہے لیکن اسلام کی تہذیب میں خوبصورتی جامعیت اور مساوات کا درس کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا ہے۔[22] اور S.Goiteis نے اسے Religious Democracy Medieval قرار دیا۔[23]

اس ضمن میں ڈاکٹر محمود غازی رقم طراز ہیں:

> مسلمانوں کی فکری روایت جس نے اسلامی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کا سائنسی اظہار کیا اور اسے ایک تہذیبی شکل دی، انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ موثر فکری اور تعلیمی روایت رہی ہے۔ زندگی کے مختلف پہلوؤں کی رہنمائی کے لیے درکار تمام ساز و سامان موجود تھا اور جتنی قوموں، جتنی نسلوں، جتنی زبانیں بولتے تھے اور جتنے خطوں کے لوگ تھے، اس سے کہیں زیادہ خطوں کے لوگ تھے۔
>
> انسانیت اور سب کچھ. یہ لوگ جو تاریخ کے مختلف ادوار میں اس تہذیب سے متاثر ہوئے۔ اس تہذیب نے اسے اس طرح جذب کیا کہ اس کی انفرادیت برقرار رہی اور ایسی اجتماعیت بھی ابھر کر سامنے آئی جس نے ثقافتوں، قوموں اور ملکوں کی بے پناہ کثرت میں ایک شاندار اور بے مثال اتحاد پیدا کیا۔۔[24]

خیر مسلموں کے ساتھ جب تعلقات استوار کرنے کی بات ائی تو دین اسلام نے ایک ایسے تحفظات کو سامنے رکھا اور تبلیغ کے ایسے اقدامات کو اپنایا کہ جس سے ہمارے پیارے نبی علیہ السلام کے نظم طریقہ کار کو دیکھ کر نہ صرف لوگوں نے ایک ایک متاثر ہونے کا اظہار کیا بلکہ اسلام کی طرف مائل ہوتے ہوئے اسلام قبول بھی کیا اور یہ اپ علیہ السلام کی حکمت اور دانائی کا بہترین ثبوت ہے نیز یہ ایک ایسا متوازن سماجی اور مثالی سفارتخانہ قائم کر کے ایک جامع خارجہ پالیسی اپ علیہ السلام نے بنائی کہ جس کے رہنما اصول اج ہمیں سفارت کاری میں نہایت مدد کرتے ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی خارجہ پالیسی نے ان کی تقرری کی راہ ہموار کی:

دیکھا جائے تو انسان فطرتا کچھ طبیعت مختلف رکھتا ہے کہ وہ کبھی کبھار لوگوں سے ملنا پسند کرتا ہے اور کبھی کبھار نہیں پھر انسانوں کی طبیعتوں کے اندر بھی کافی فرق پایا جاتا ہے ایک معاشرے میں مختلف طرح کے لوگ رہتے ہیں پھر خارجہ پالیسی کے لیے ایک کچھ ایسے لوگوں کا تقرر ضروری تھا کہ جو ہر طرح کے افراد کے ساتھ اچھے طریقوں کے ساتھ پیش ائیں ان کا بولنا چلنا پھرنا اٹھنا اور اپنے موقف کو ظاہر کرنا ایسا ہو کہ جس سے ہر طرح کی طبیعت والا سمجھ سکے بلا وجہ الجھنا اور بخلا جانا یہ سفارت کاری کے نظام کو خراب کرتا تھا افراد کی طرح ریاست بھی دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلق قائم کرتی ہے بغیر تعلقات قائم کیے افراد کا معاشرے میں ایک امن اور سکون کے ساتھ رہنا مشکل ہو جاتا ہے اسی طرح بین ال قوموں ی برادری کے ارکان اور آپس میں تعاون کرہ ارض کے لیے ضروری ہے۔ لیکن کوئی بھی حکومت خود مختار نہیں ہو سکتی اور اس میں انسانی فطرت شامل ہونی چاہیے۔ یہ باہمی تعلقات میں خود اور باہر کے درمیان فرق کرتا ہے اور تعلقات کی نوعیت اور ترجیحات کا تعین کرتا ہے کہ کس کو اپنا سمجھا جاتا ہے اور کون باہر سمجھا جاتا ہے۔ یہ قوم کے طرز زندگی، فلسفہ حیات، قومی مزاج، سیاق و سباق، اقدار اور ثقافت پر منحصر ہے۔

---

[22] A.J Toynbee, A Study of History Newyork Oxford University Press 1967, P # 67

[23] S.D Goitein , Minority Self Rule and Government Controle in Islam , Saudia Islamica, Vol:31, P # 109

[24] Dr meḥmōd aḥmad ghāzī, a‘ṣar ḥādhir awr sharī‘at islāmī (Islamabad: Institute of policy studies), 89

کچھ قومیں ایسی ہیں کہ جو نسلی اتحاد کو اپنی بنیاد سمجھ کر غالب رہنے کی کوشش کرتی ہیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ جو رنگ کو دیکھ کر اپنے درمیان کسی کو رہنے یا اس کو نکالنے کو بنیاد سمجھتی ہیں لیکن اسلام نے ایک ایسی تعلیم دی کہ جب ہم حضور علیہ السلام کے رویے کو دیکھتے ہیں تو انہوں نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ایک ایسے نظام کو تشکیل دیا کہ جس سے بین ال قوموں ی تعلقات کی بنیاد صرف اور صرف اصول اور ضوابط نظر اتے ہیں کہ اصول کے مطابق تعلقات رکھنے اس کے مطابق زندگی گزاری جائے تو یہ نظام بہتر چل سکتا ہے ہمارے پیارے نبی نے دوسرے لوگوں کی طرح جغرافائی الاقائی نسلی قومی اور زبان کی بنیاد پر تعلقات کبھی نہیں رکھے بلکہ ایک سوچ اور ایک اصول کے مطابق رکھے کہ جس سے ہر طرح کے رنگ ان اور قبیلے خاندان سے تعلق رکھنے والے کو فائدہ ہی پہنچا ہے کہ جس کی مثالیں سیرت نبی کے مختلف واقعات میں دیکھنے کو ملتی ہیں اور وقت کے بادشاہ اور حکمران بھی اپ علیہ السلام کی اس نظام کے تشکیل دیے جانے پہ متاثر ہوئے۔

جب جب اس بات کی حاجت پڑی کہ محبت کے ساتھ کسی کو اپنی طرف مائل کیا جائے تو نبی کریم علیہ السلام نے رضا الٰہی کے لیے بادشاہوں کی جانب تہائی بھی بھیجے اور انہوں نے اس کو قبول بھی کیا کہ جس کے فوائد بعد میں نظر بھی آئے

آپ علیہ السلام نے بادشاہوں اور حکمرانوں اور سفارت کاری کے نظام کو سمجھاتے ہوئے اپنے سفیروں کے ساتھ احترام کرنے کا حکم دیا اور اس میں ایک بڑی مثال مسلمہ کذاب اور جیسے دسرکش لوگوں کی جانب سے بھیجے گئے سفیروں کے ساتھ اپ علیہ السلام نے ایسا سلوک کیا کہ جس سے لوگوں کو اپ علیہ الصلوۃ والسلام کی انسانیت کے اوپر مہربانی نظر اتی ہے اپ علیہ السلام نے قوموں کے نصب العین کو خود بھی سمجھا اور دوسروں کو بھی سمجھایا جاہلیت کے بہت سارے ایسے رسم ورواج تھے کہ جس سے قوم کے درمیان اختلافات بڑھنے یا پھر کسی ایک کی عزت کو بڑھنے کا موقع دیا جاتا لیکن اپ علیہ السلام نے ہر طرح کے معاملات میں معاہدے ہوں جنگی قوانین ہوں ان تمام میں اخلاقیات کو پہلے رکھا اور عدل و انصاف کے ساتھ تمام کے معاملے کو رفع دفع کیا۔

ریاست مدینہ اور بین الاقوامی تعلقات:

مکی دور کے 13 سالوں کو اگر دیکھا جائے تو اس جدوجہد کے بعد مدینہ میں پہلی ایک ایسی ریاست کا ظہور نظر اتا ہے کہ جس میں اپ علیہ الصلوۃ والسلام کے مثالی طرز انداز میں حکمرانی کے سابقہ انداز کو بدل کے رکھ دیا پہلے یثرب جس کو کہا جاتا تھا پھر مدینہ کہلایا مدینہ صرف نہیں بلکہ منورہ بھی ساتھ لگا کہ اس میں عدل و انصاف کا نور خوبصورتی کا نور فلاح ریاست ایک ایسی بنی کہ جس سے اندرونی اور بیرونی طور پر سارے حالات بدل کر رکھ دیے ریاست مدینہ کی خارجہ پالیسی افاقی اصولوں پر اس انداز میں مبنی تھی کہ جس سے ہر طرح کی ریاست فائدہ حاصل کر سکتی تھی ریاست مدینہ نے دیگر قوموں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم کیے اور عملی بنیاد اس انداز میں فراہم کی کہ جس سے سلم اور کافر کے درمیان قوانین کو دیکھا جاتا اور اسی کے مطابق فیصلے کیے جاتے۔

عہد وپیان کا احترام

حضور علیہ السلام نے ریاست مدینہ کے اندر مختلف امور کے ساتھ ساتھ خارجہ پالیسی کے اندر بھی ایک ایسی ایک تعلیمات کو ترتیب دیا کہ جس سے اج بھی مسلم ممالک فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

بین الاقوامی قانون جنگ سیرت طیبہ کی روشنی میں:

انسان ہمیشہ سے جنگ کا خاتمہ تو چاہتا ہے لیکن اس کے لیے یہ بات مشکل ہے کہ ایسی وجوہات کو ختم کیا جائے کہ جو جنگ کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ ابن خلدون نے کچھ اس طرح کہا کہ جنگ انسانی فطرت کا حصہ اس لیے بن چکا ہے کہ انسان اس کی وجوہات پہ غور نہیں کرتا۔[25] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی مدینہ کی ریاست میں کسی بھی کام کو سرانجام دیا اس کے پیچھے مختلف طرح کے وجوہات کو پہلے سمجھا پھر اس کے مطابق کام کو سرانجام دیا کہ ہمیشہ کام کو اصول کے مطابق کیا جائے تو پھر اصول سے نکلنے والے کافی سارے مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں اج دنیا کے لیے یہ حیران کن بات ہے کہ جن قوانین کی اج بین ال قوموں ی تنظیمیں انسانی بنیاد پر رکھ رہے ہیں وہ ہمارے پیارے نبی علیہ السلام کے دور میں پہلے سے بتائے جا چکی ہیں کہ انسانی اقتدار کے ساتھ ساتھ باقی بھی ہر طرح کی چیزوں کے ساتھ مساوات اور عدل کا کام کیا جائے ظلم کسی پر کسی صورت بھی جائز نہیں جب تک کوئی وجہ سامنے نہ ائے اس پر عمل نہ ہو تب تک کسی کے اوپر زجر و توبیخ کا حکم اور اجازت بالکل بھی نہیں۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے جنگ میں کئی اعلیٰ اصول متعارف کروائے، جن میں شامل ہیں:

1. جنگجو اور غیر جنگجو کے درمیان فرق:

2. شہریوں اور قیدیوں کو نقصان پہنچانے کی ممانعت:۔

3. ماحولیات کا احترام:

4. کوئی اذیت یا توڑ پھوڑ نہیں:

5. شکست خوردہ کے ساتھ منصفانہ سلوک:

6. بے گناہوں کا قتل نہیں:

7. عبادت گاہوں کی تباہی نہیں:

8. کوئی لوٹ مار نہیں:

یہ اصول، جو 1,400 سال پہلے قائم کیے گئے تھے، جنگ میں انسانیت اور ہمدردی کی علامت بنے ہوئے ہیں، اور آج بھی متعلقہ ہیں۔۔

ایک اور حدیث میں ملتا ہے:

> ”بچوں اور نوکروں پہ ہاتھ مت اُٹھاؤ۔“[26]

اسلام جنگ میں جن چیزوں پر زور دیتا ہے ان میں سے ایک معاہدوں کا احترام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے دوران خاص طور پر اس بات پر زور دیا گیا کہ دشمن چاہے کیسے ہی ارتداد کا ارتکاب کرے، مسلمانوں کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بغیر اطلاع کے کرو۔ مصروفیت ختم کرنے کے لیے بغیر اطلاع ان کی طرف بڑھیں یا ان کی طرف دوڑیں۔

اس کے برعکس ان کے معاہدے کی خلاف ورزی کے باوجود مسلمانوں کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ پہلے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں معاہدے کی منسوخی کا اعلان کریں اور پھر فوجی کارروائی کریں۔

---

[25] Muqadmah ibn-e-khaldōn, 270

[26] Sunan abō dāwōd, kitāb al-jihād, hadith: 301

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

اسلامی قانون دیگر قوموں کے امن و سلامتی کی ضمانت بھی دیتا ہے۔ کہ اگر انسانیت راہ نجات کی طرف قدم بڑھانا چاہتی ہے تو ہمیں بھی کچھ نرمی کا حکم ہے۔

حدیبیہ امن معاہدے سے خارجہ پالیسی کے اسباق:

ہجرت کے فوراً بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مختلف عرب قبائل اور دیگر قوموں کے ساتھ معاہدے کرنا شروع کر دیے۔

یہ معاہدے حضور ﷺ کی خارجہ پالیسی کو واضح کرتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خارجہ پالیسی کے معاملات میں عوامی امن اور بین الاقوامی اتحاد کی بنیاد رکھی۔ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی جغرافیائی توسیع اور جنگ پر مبنی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حدیبیہ کا معاہدہ نہ ہوتا۔ ممکن ہے کہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت مسلمان کمزور تھے اور غیر مسلموں سے ڈرتے تھے، کیونکہ صحابہ اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی شرائط کو تسلیم کرنا بہتر سمجھا۔ اور صلح کرو یہ پیغمبر کی خارجہ پالیسی میں ایک عظیم سیاسی حکمت عملی ہے، جیسا کہ یہودیوں کے ساتھ مدینہ کی مشترکہ ریاست کے قیام میں دیکھا گیا ہے، جس میں تین یہودی قبائل شامل تھے: بنو قینقہ نادر اور بنو قریظہ کو ایک ایک کر کے مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔۔

"اس کے بعد انہوں نے خیبر کو اپنا مرکز بنایا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے اسے یہودیوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ سمجھا۔ اسی تناظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قریش کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، اس محاذ پر خاموشی اختیار کی، اور پھر خیبر پر حملہ کر کے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا، جو ایک قابل ذکر سفارتی کامیابی تھی۔

ایک مصری مصنف عباس محمود العقاد اپنی کتاب "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقابل یقین سیاسی ذہانت اور خارجہ پالیسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس معاہدے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی حد تک یقین دلایا گیا۔ قریش اور خیبر کے یہودیوں کی طرف توجہ دلائی۔" مزید برآں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی ممالک کے رہنماؤں کو خطوط بھیجے، جن میں سفارت کاری اور تبلیغ کی اہمیت پر زور دیا۔

معاہدہ حدیبیہ کے دوران جب قرآنی آیت "انا فتحنا لک فتح مبین" (ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی) نازل ہوئی تو بہت سے مسلمانوں نے اس کا مفہوم نہیں سمجھا اور سوچا کہ "یہ کیسی فتح ہے؟" تاہم، یہ ایک مختصر مدت کی فتح تھی، اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، انہوں نے خیبر کی فتح کا مشاہدہ کیا اور محسوس کیا کہ بعض اوقات سادہ گفتگو اور سیاسی افہام و تفہیم فتح کا باعث بن سکتی ہے۔

معاہدہ حدیبیہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی دور اندیشی کی ایک قابل ذکر اور ناقابل فراموش مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے چیلنج کو قبول کر کے کمزوری نہیں دکھائی اور بین الاقوامی سطح پر مساوات اور رواداری کے باوجود چیلنجوں کو قبول کرنے اور ان سے فوری نمٹنے کی ترغیب دی۔ اسلامی خارجہ پالیسی کا اصول یہ ہے کہ باوقار زندگی کے لیے پر امن جدوجہد جاری رکھی جائے۔ اگر کوئی رکاوٹیں ڈالتا ہے تو ضروری کارروائی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قوموں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے، اگر وہ اسے ترجیح دیں تو ان کی غیر جانبداری کا احترام کریں۔ لہٰذا، حدیبیہ کا معاہدہ پیغمبر اسلام کی بہترین خارجہ پالیسی کی عکاسی کرتا ہے، جو آج بھی مسلم رہنماؤں کے لیے ایک نمونہ ہے۔"۔

وقت کے بادشاہوں کو پیغمبر اکرم (ﷺ) کے خطوط:

"مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہذب دنیا کے نامور رہنماؤں کو خطوط لکھے، جس میں انہیں اللہ کی عبادت قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس وقت عرب کے غلبہ میں کوئی شک نہیں ہے۔" وصول کنندگان کو واضح طور پر بتایا گیا کہ اگر وہ دعوت قبول کرتے ہیں تو ان کے ساتھ مسلم کمیونٹی کا حصہ ہونے کے ناطے مساوی سلوک کیا جائے گا، پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مشن آفاقی ہے، اور اس عالمی پیشن گوئی کے ایک حصے کے طور پر، آپ نے سینکڑوں دعوتیں بھیجیں۔ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کے آفاقی پیغام کو پہنچانے والے خطوط متنوع تھے، جن میں اس وقت کے بڑے بڑے بادشاہ، علاقائی حکمران، قبائلی رہنما اور کچھ بت پرست بھی تھے۔ علاقائی بادشاہوں، حکمرانوں اور قبائلی رہنماؤں کو خطاب کیا گیا، جب کہ دیگر مسلم رہنماؤں اور جرنیلوں کو لکھے گئے۔

یہاں ہمارا مقصد مختلف ریاستوں کے بادشاہوں کو لکھے گئے چند خطوط کا جائزہ لینا ہے۔ صلح حدیبیہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ 6 ہجری کے مہینے میں بادشاہوں کو دعوتی خطوط بھیجنے کا ارادہ کیا، جیسا کہ "طبقات ابن سعد" میں مذکور ہے۔ معاہدے کے بعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے چھ مشہور رہنماؤں کو دعوتی خطوط بھیجے، ان پر دستخط کے طور پر اپنی مہر ثبت کر دی۔[27]

دنیا کے 6 مشہور رہنماؤں کے نام یہ ہیں:

1. نامہ مبارک بنام نجاشی شاہ حبشہ
2. کسرہ شاہ فارس کی طرف سے نامہ مبارک
3. مصر کے قبطی بادشاہ مقوقس کے نام پر نامہ مبارک
4. ہیراکلس سیزر روم کے نام پر نامہ مبارک
5. بحرین کے حکمران منذر بن سووی کی جانب سے نامہ مبارک
6. دمشق کے حکیم ابن ابی شمر غسانی کے نام پر نامہ مبارک

علمی محقق مفتی ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان خطوط کو حاصل کرنے والوں کا تعلق چار مختلف مذاہب سے تھا: 1) مشرکین عرب، 2) عیسائی، 3) یہودی اور 4۔) زرتشتی (مجاجی) ہرقل اور مقوقس کو لکھے گئے خطوط میں، "عبداللہ" (اللہ کا بندہ) کے طور پر پیغمبر کے دستخط موجود ہیں، جو کہ وصول کنندگان کے اس عقیدے کی سختی سے تردید کرتے ہیں کہ انبیاء انسانی مخلوقات کے بجائے الٰہی مخلوق ہیں۔

فارس کے بادشاہ خسرو پرویز کو بھیجے گئے مبارک خط میں خدا کی وحدانیت پر اعتقاد پر زور دیا گیا، جیسا کہ فارسی دو دیوتاؤں پر یقین رکھتے تھے۔ اس خط نے اسلام کے عالمی پیغام کا آغاز کیا، جس میں تمام اقوام کے لیے پیغمبر کی آفاقی نبوت کا اعلان کیا گیا۔ یہودیوں کو لکھے گئے خط میں پیغمبر کی پیشین گوئی کی تصدیق کے لیے تورات کا حوالہ دیا گیا تھا، جب کہ عرب مشرکین کے نام خط میں صرف ایک خدا کی عبادت کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا اور انہیں بت پرستی کے خلاف خبردار کیا گیا تھا۔

---

[27] Māhnāmah mirāh al-a'ārfīn, shumārah, December 2017, 25

رومی شہنشاہ، قیصر، جو عیسائی تھا، نے پیغمبر اسلام کے دعوتی خط پر غور کیا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی طرح مصر کے حاکم مقوقس نے جو کہ عیسائی بھی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قبول کیا لیکن دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوا۔[28] حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان خطوط کی روشنی میں مسلم ممالک اپنی خارجہ پالیسیاں تشکیل دے سکتے ہیں اور ان خطوط کی روشنی میں اسلام کی دعوت کا پیغام عالمی سطح پر مناسب انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دور میں دیگر مملکتوں اور قوموں کے ساتھ خارجہ تعلقات:

"جدید دنیا میں بین الاقوامی تعلقات کے بنیادی اصول و ضوابط قائم ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان اصولوں کو 1400 سال پہلے وضع کیا تھا۔ اسلام کا بین الاقوامی تعلقات کا نظام ٹھوس حقائق پر مبنی ہے، صدیوں تجربہ، اور عملی کامیابیاں، اور یہ ایک اہم اور ممتاز مقام پر فائز ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں دیگر اقوام کے ساتھ جو تعلقات قائم کیے وہ آج بھی پوری دنیا کے لیے مشعل راہ ہیں۔

اگر ہم جدید بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں اور اصولوں کا بغیر کسی تعصب کے اسلام کے اصولوں سے موازنہ کریں تو بلاشبہ ہم دیکھیں گے کہ اسلام کے اصول و ضوابط پوری نسل انسانی کے لیے مشعل راہ ہیں۔ پیغمبر کے زمانے میں، اس نے دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات استوار کیے اور ان کے حکمرانوں اور رہنماؤں کو خطوط لکھے، اسلام کے پیغام کی تبلیغ کی۔

پیغمبر اسلام کی خارجہ پالیسی کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. پہلا دور، ہجرت سے جنگوں کے آغاز تک، جس کے دوران اس نے ہمسایہ قبائل اور اقوام کے ساتھ تعلقات استوار کیے تھے۔
2. دوسرا دور، جنگوں سے لے کر حدیبیہ کے معاہدے تک، جس کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑوسی قبائل اور اقوام کی طرف سے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتیجے میں چھ سال تک جنگ ہوئی۔
3. تیسرا دور، معاہدہ حدیبیہ سے فتح مکہ تک، جس کے دوران پیغمبر اسلام نے دوسری قوموں اور قبائل تک اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے لیے امن معاہدے سے فائدہ اٹھایا۔
4. چوتھا دور، فتح مکہ سے لے کر آپ کے انتقال تک، جس کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ پالیسی نے دنیا پر گہرے اثرات مرتب کیے، جس کے نتیجے میں وفود اور معاہدوں کا سلسلہ شروع ہوا، اس سال کو "وفود کا سال" کا خطاب ملا۔[29]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ پالیسی آج کے مسلم حکمرانوں کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے، اگر مسلم ممالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے خارجہ پالیسی کے اصولوں پر عمل کریں تو وہ بہت حد تک کامیابی حاصل کریں گے۔ سیرت کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں کے لیے بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد امن ہے، جیسا کہ قرآن بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسلامی ریاست کے تمام معاملات دوسرے کے ساتھ ہیں۔

---

[28] Māhnāmah mirāh al-a'ārfīn, shumārah, December 2017, 25

[29] Professor Dr ḥussain bānō, rasōl akram kī sifārat kārī awr khārjah pālīsī (Raḥīl publications, September 2018), 480

قوموں کو امن اور ہم آہنگی کے اصولوں پر استوار ہونا چاہیے، اس کا مطلب کمزوری یا بزدلی نہیں ہے، بلکہ اگر دشمن امن کی زبان بولنے سے انکار کرے تو جہاد کا حکم ہے۔ مختصراً یہ کہ امت مسلمہ کو اپنی خارجہ پالیسی بناتے وقت قرآنی اصولوں اور پیغمبر اسلام کے اعمال کو مد نظر رکھنا چاہیے تاکہ اسلامی ریاست عالمی امن اور ترقی کے لیے کلیدی کردار ادا کر سکے۔

نتائج البحث

اب اگر مذکورہ ابحاث کیساتھ حضور ﷺ کی خارجہ پالیسی کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے نتائج کچھ یوں نکلتے ہیں:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک وژنری رہنما تھے جنہوں نے نہ صرف جزیرہ نمائے عرب کو ایک جھنڈے تلے متحد کیا بلکہ ایک مضبوط خارجہ پالیسی بھی قائم کی جس نے ہمسایہ ممالک کے ساتھ امن اور ہم آہنگی کو یقینی بنایا۔ بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں ان کا نقطہ نظر انصاف، ہمدردی اور باہمی احترام کے اصولوں پر مبنی تھا، جو آج بھی متعلقہ ہیں۔

پیغمبر اسلام کی خارجہ پالیسی "دعوت" یا اسلام کی دعوت کے تصور کے گرد مرکوز تھی۔ وہ اسلام کے پیغام کو پرامن ذرائع سے پھیلانے میں یقین رکھتے تھے، جیسے کہ مکالمے، سفارت کاری اور تعلیم۔ اس کی پالیسی کی خصوصیت تھی:

1. پرامن بقائے باہمی: پیغمبر دیگر اقوام کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے پر یقین رکھتے تھے، ان کے مذہبی عقائد یا سیاسی وابستگیوں سے قطع نظر۔

2. باہمی احترام: اس نے دوسری قوموں کی طاقت یا کمزوری سے قطع نظر عزت اور وقار کے ساتھ برتاؤ کرنے کی وکالت کی۔

3. انصاف: پیغمبر اسلام کی خارجہ پالیسی انصاف کے اصول پر مبنی تھی، اس بات کو یقینی بناتی تھی کہ تمام قوموں کے ساتھ انصاف اور تعصب کے بغیر سلوک کیا جائے۔

4. ہمدردی: اس نے دوسری قوموں کے ساتھ ہمدردی اور ہمدردی کا مظاہرہ کیا، خاص طور پر ضرورت یا بحران کے وقت۔

معاصر فوائد:

پیغمبر اسلام کی خارجہ پالیسی اس بات کی روشن مثال ہے کہ کس طرح قومیں پرامن طور پر ایک ساتھ رہ سکتی ہیں اور خوشحالی اور ترقی کے مشترکہ مقصد کے لیے کام کر سکتی ہیں۔ آج کی دنیا میں، جہاں تنازعات اور تناؤ عروج پر ہے، بین الاقوامی تعلقات کے لیے پیغمبر کا نقطہ نظر پہلے سے کہیں زیادہ متعلقہ ہے۔ پرامن بقائے باہمی، باہمی احترام، انصاف اور ہمدردی پر ان کا زور قوموں کے لیے اپنے اختلافات کو حل کرنے اور زیادہ ہم آہنگی والی دنیا کے لیے کام کرنے کے لیے رہنمائی کا کام کر سکتا ہے۔

آخر میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ پالیسی سفارت کاری اور مدبرانہ انداز کا شاہکار تھی، جو قوموں کو امن اور ہم آہنگی کی طرف ترغیب اور رہنمائی فراہم کرتی رہتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں ان کا نقطہ نظر انصاف، ہمدردی اور باہمی احترام کے اصولوں پر مبنی تھا، جو آفاقی اور لازوال ہیں۔

کتابیات

ابن کثیر، ابو الفداء، عماد الدین اسماعیل، البدایۃ والنهایۃ، بیروت، لبنان: مطبوعہ دار الفکر، ۱۴۱۸ھ،
ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، بیروت لبنان: دار صادر،
اسد سلیم، شیخ، رسول اللہ ﷺ کی خارجہ پالیسی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،
ابو انیس، محمد برکت علی، مکشوفات منازل احسان، فیصل آباد کیمپ دار الاحسان پبلی کیشنز،

ابوالفتح، ابن سید الناس، محمد بن محمد بن احمد، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، بیروت، لبنان: دار القلم،

پروفیسر ڈاکٹر حسین بانو، سول اکرم ﷺ کی سفارت کاری اور خارجی پالیسی، مقدمہ، ادارہ تحقیقات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کراچی اتوار 24 اپریل 2022ء۔

حلبی،، برہان الدین، علی بن ابراہیم، "سیرۃ الحلبیہ"، مطبع: بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ: ۳ / ۴۲۲۔

حمید، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ بطور مصلح، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامع پنجاب،

سیوطی، جلال الدین، الخصائص الکبریٰ، مطبع: بیروت، لبنان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ،

غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، عصر حاضر اور شریعتِ اسلامی، اسلام آباد، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز،

کتانی، محمد عبد الحیٔ، (م: ۱۳۸۲ھ)، "التراتیب الادا ریہ"، مطبع: بیروت، لبنان، دار لارقم، ۱ / ۱۶۷۔

لفاکھی، ابوعبداللہ، محمد بن اسحاق بن العباس، المکی، م: ۲۸۲ھ، اخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثیہ، بیروت لبنان: دار خضر، ۱۴۱۴ھ،

معارف اسلامی، مدیر ڈاکٹر محمود الحسن بٹ، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، شمارہ نمبر 2، دسمبر ۲۰۰۸ء

ماہنامہ مراۃ العارفین، شمارہ دسمبر 2017ء۔